کہہ دے بس حجت پوری اللہ ہی کی رہی

یعنی

غیر مقلدوں کے دس سوالات
اور ان کے تحقیقی جوابات

تالیف

امام حریت شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی قدس سرہ

تسہیل: مولانا سعید احمد پالنپوری محدث دارالعلوم دیوبند

ترتیب: مولانا محمد امین پالنپوری استاذ دارالعلوم دیوبند

قدیمی کتب خانہ

مقابل آرام باغ کراچی ۱

پیش لفظ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ بِنِعْمَتِہٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ، وَصَلَوٰاتُ اللّٰہِ وَسَلَامُہٗ عَلٰی اَکْرَمِ الْمَوْجُوْدَاتِ، وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہِ الَّذِیْنَ بَلَغُوْا اَقْصَی الْغَایَاتِ، اَمَّا بَعْد:

تیرہویں صدی ہجری دم توڑ رہی تھی، دارالعلوم دیوبند کو قائم ہوئے ابھی ایک دھائی بھی نہیں گذری تھی کہ اکابر دارالعلوم کو تین عظیم فتنوں سے دوچار ہونا پڑا، قیام دارالعلوم کے ساتھ ہی آریہ سماجی فتنہ، شیعیت کی یلغار، اور ظاہر پرستی کا غوغا شروع ہوگیا، بانیانِ دارالعلوم اور ان کے ارشد تلامذہ نے ان فتنوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا، اور نہ صرف یہ کہ ان کو خاموش کردیا، بلکہ بلوں میں گھس جانے پر مجبور کردیا۔

حجۃ الاسلام، حضرت اقدس مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ (ولادت ۱۲۴۸ھ ۱۸۳۲ء وفات ۱۲۹۷ھ ۱۸۷۹ء) نے آریہ سماج کے بانی پنڈت دیانند سرسوتی کو نہ صرف میدانی مناظروں میں زک دی، بلکہ علمی سطح پر بھی اس کے تمام وار بیکار کردیئے، قبلہ نما، تحفۂ لحمیہ، واقعۂ میلہ خدا شناسی، مباحثہ شاہ جہاں پور، انتصار الاسلام اور حجۃ الاسلام، اسی سلسلہ کی تصنیفات ہیں۔

شیعیت کا فتنہ ماضی بعید سے ہندوستان میں اپنی جڑیں جمائے ہوئے تھا، مغلوں کے آخری دور میں یہ حالت ہوچکی تھی کہ جب سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہٗ (ولادت ۱۱۵۹ھ ۱۷۴۶ء وفات ۱۲۳۹ھ ۱۸۲۴ء) نے "تحفۂ اثنا عشریہ" شیعوں کے رد میں لکھی، تو وہ اپنا نام ظاہر نہیں فرما سکے، دیباچہ میں اپنا تاریخی نام "غلام حلیم" اور اپنے والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہٗ کا غیر مشہور نام "قطب الدین" لکھنے پر مجبور ہوئے۔ تحفۂ اثنا عشریہ میں ایک جگہ اپنے والد بزرگوار حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی کتاب ازالۃ الخفا کا ذکر آیا تو یہ تحریر فرماکر اپنے آپ کو چھپایا کہ

"کتاب ازالۃ الخفا تالیف بزرگے است از سکانِ شہر کہنہ دہلی، کہ فقیر ہم بارہا بزیارتِ شاں مشرف شدہ واستفادہ نمودہ"

ایسے عظیم فتنہ نے قیام دارالعلوم کے ساتھ ہی دوبارہ سر ابھارا، تو حضرت نانوتوی قدس سرہٗ

نے آبِ حیات، ھدیۃ الشیعۃ، اجوبۂ اربعین، الاجوبۃ الکاملۃ فی الاسولۃ الخاملۃ اور مکاتیب قاسم العلوم کے کئی مکاتیب تحریر فرمائے، قطب الارشاد محی السنۃ حضرت اقدس مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ (ولادت ۱۲۴۴ھ / ۱۸۲۸ء وفات ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء) نے ہدایت الشیعۃ ارقام فرمائی، اور زبدۃ المحدثین حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سرہٗ (ولادت ۱۲۶۹ھ / ۱۸۵۲ء وفات ۱۳۴۶ھ / ۱۹۲۷ء) نے ہدایات الشیعۃ جیسی ضخیم کتاب تالیف فرمائی اور شیعیت کے بھڑکتے لاوے کو اس طرح بجھا کر رکھ دیا کہ باقی ماندہ چنگاریاں راکھ کے تلے دب کر رہ گئیں۔

اسی طرح ظاہریت کو جب قیامِ دار العلوم دیوبند سے خطرہ محسوس ہوا، تو اس نے بھی غوغا مچانا شروع کیا، بانیانِ دار العلوم نے ان کا بھی تعاقب کیا، حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ نے مصابیح التراویح، توثیق الکلام فی الانصات خلف الامام، الحق الصریح کا ایک مکتوب، اور فیوض قاسمیہ کا ایک مکتوب تحریر فرمایا، حضرت گنگوہی قدس سرہٗ نے اوثق العریٰ فی تحقیق الجمعۃ فی القریٰ، القطوف الدانیۃ فی کراھیۃ الجماعۃ الثانیۃ، ھدایۃ المعتدی فی قراءۃ المقتدی اور الحق الصریح کا ایک مکتوب ارقام فرمایا، دار العلوم دیوبند کے فرزندِ اول، شیخ الہند، امام حریت، حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی قدس سرہٗ (ولادت ۱۲۶۸ھ / ۱۸۵۱ء وفات ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۱ء) نے احسن القریٰ فی توضیح اوثق العریٰ، ادلۂ کاملہ اور اس کی شرح ایضاح الادلۃ تحریر فرمائی۔

ادلۂ کاملہ

مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی، جو وکیل اہلِ حدیث کہلاتے تھے، حضرات ائمۂ مجتہدین کے متبعین خصوصاً احناف کی مخالفت میں بہت ہی پرجوش تھے، موصوف اپنے خیال میں احناف کے اکثر و بیشتر مسائل کو محض قیاس آرائی اور مخالف حدیث تصور فرماتے تھے، چنانچہ آپ نے امام ابو حنیفہؒ کے ایسے دس مسائل کا انتخاب فرمایا، جو اُن کے زعم میں بالکل بے دلیل، بلکہ خلاف دلیل تھے، اور پنجاب و ہند کے تمام علمائے احناف کو چیلنج کرتے ہوئے ایک اشتہار شائع کیا کہ اگر کوئی صاحب اِن مسائل کے ثبوت میں کوئی حدیث صحیح، قطعی الدلالۃ پیش کر دیں، تو وہ فی آیت اور فی حدیث دس روپے انعام دیں گے۔

موصوف کے اشتہار کا متن یہ تھا:

"میں مولوی عبد العزیز صاحب، و مولوی محمد صاحب، و مولوی اسماعیل صاحب ساکنان بلیہ دالی اور جو اُن کے ساتھ طالب علم ہیں، جیسے میاں غلام محمد صاحب ہوشیار پوری و میاں نظام الدین صاحب، و میاں عبد الرحمٰن صاحب وغیرہ، جملہ حنفیان پنجاب و ہندوستان کو بطور اشتہار وعدہ دیتا ہوں کہ اگر ان لوگوں (میں) سے کوئی صاحب مسائل ذیل میں کوئی آیتِ قرآنی

یا حدیث صحیح جس کی صحت میں کسی کو کلام نہ ہو، اور وہ اس مسئلہ میں جس کے لئے پیش کی جاوے نص صریح، قطعی الدلالۃ ہو، پیش کریں تو فی آیت اور فی حدیث یعنی ہر آیت و حدیث کے بدلے دس روپے بطور انعام کے دوں گا۔

اولاً: رفع یدین نہ کرنا، آں حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بوقت رکوع جانے اور رکوع سے سر اُٹھانے کے۔

ثانیاً: آں حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نماز میں خفیہ آمین کہنا۔

ثالثاً: آں حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نماز میں زیر ناف ہاتھ باندھنا۔

رابعاً: آں حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مقتدیوں کو سورہ فاتحہ پڑھنے سے منع کرنا۔

خامساً: آں حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) یا باری تعالیٰ کا کسی شخص پر کسی امام کی ائمۂ اربعہ (میں) سے تقلید کو واجب کرنا۔

سادساً: ظہر کا وقت دوسرے مثل کے آخر تک رہنا۔

سابعاً: عام مسلمانوں کا ایمان اور پیغمبروں اور جبرئیل (علیہ السلام کے ایمان) کا مساوی ہونا۔

ثامناً: قضاء کا ظاہراً و باطناً نافذ ہونا

تشریح: مثلاً کسی شخص نے ناحق کسی کی جورو کا دعویٰ کیا ہے کہ یہ میری جورو ہے، اور قاضی کے سامنے جھوٹے گواہ پیش کر کے مقدمہ جیت لے، اور وہ عورت اس کو مل جائے، تو وہ عورت بحسب ظاہر بھی اس کی بیوی ہے، اور اس سے صحبت کرنا بھی اس کو حلال ہے۔

تاسعاً: جو شخص محرماتِ ابدیہ جیسے ماں، بہن سے نکاح کر کے اس سے صحبت کرے، تو اس پر حدِ شرعی جو قرآن یا حدیث میں وارد ہے، نہ لگنا۔

عاشراً: تحدید آپ کثیر جو وقوعِ نجاست سے پلید نہ ہو، دَہ در دَہ سے کرنا۔

تنبیہ: ان مسائل کی احادیث کے تلاش کرنے کے واسطے میں ان صاحبوں کو اس قدر مہلت دیتا ہوں جس قدر یہ چاہیں، زیادہ مہلت میں ان کو بھی گنجائش ہے کہ یہ اپنے مذہبی بھائیوں سے بھی

۱؎ اصل اشتہار میں کسی جگہ آں حضرت کے بعد "(صلی اللہ علیہ وسلم" نہ صراحۃً ہے، نہ اشارۃً، ہم نے بین القوسین درود کا صیغہ بڑھایا ہے ——— یہ ہے وکیلِ اہلِ حدیث کے علم و ادب کا حال! ۱۲

۲؎ یہ حضرت مشتہر کا مبلغ علم کہ عاشراً کے بجائے عشراً لکھ دیا ۱۲

مدلیں۔ المشتہر: ابوسعید محمد حسین لاہوری ۱۲۹۰ھ"

مولانا بٹالوی کا یہ چیلنج نہ صرف تمام علمائے احناف کے خلاف تعلّی آمیز اعلانِ جنگ تھا، بلکہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تجہیل و تضلیل کو بھی متضمن تھا جس سے ناواقف عوام کو یہ تاثر دینا منظور تھا، کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسائل ایسے بے دلیل ہیں کہ ملک بھر کے علماءِ احناف مل کر بھی ان پر صحیح دلیل قائم نہیں کر سکتے، اگر وہ ایسا کریں تو مجتہد العصر مولانا محمد حسین بٹالوی کی بارگاہِ عالی مقام سے انعام کے مستحق ہوں گے، ظاہر ہے کہ اس میں حضرت امام الائمہ کی تجہیل بھی ہے، اور تمام علمائے احناف کی تحقیر و تذلیل بھی، اور "انگریز کی پالیسی "لڑاؤ اور حکومت کرو"، کی تائید و توثیق بھی، کیونکہ اس اشتہار کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ پورے ملک میں اشتعال کی آگ پھیل جاتی، اور گلی گلی میں "حنفی وہابی جنگ"، کا میدانِ کارزار گرم ہو جاتا۔

حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب لکھتے ہیں:

"یہ اشتہار دیوبند بھی پہنچا، یہ سخت حملہ عموماً تمام حنفیوں کو شاق گذر رہا تھا، اور پنجاب کے کسی حنفی عالم نے اپنی وسعت کے موافق کچھ جواب بھی لکھا تھا، حضرت مولانا (شیخ الہند) اور آپ کے محترم استاذ مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو یہ ناگوار طرز اور تعلّی نہایت ہی ناپسند آئی، اس صورت میں بالالتزام گویا صاحبِ مذہب امام الائمہ کی توہین نظر آئی، حضرت مولانا نے استاذِ مکرم کی اجازت و اشارہ سے قلم اٹھایا، اور اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایسا جواب لکھا کہ قلم توڑ دیئے۔"

(حیات شیخ الہند صفحہ ۲۲۹ مطبوعہ ادارہ اسلامیات لاہور)

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام الائمہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقابلہ میں مولانا محمد حسین بٹالوی کی ناروا تعلّی پر نکیر فرماتے ہوئے اظہار الحق کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

"اس اشتہار کو دیکھ کر نہایت تعجب ہوا کہ مولوی صاحب ممدوح کا اس چھوٹے منہ بڑی بات کا ارادہ تھا، تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہی پر کیوں قناعت فرمائی، آپ کی بلند پروازی کے لئے ہنوز گنجائش بہت تھی، صحابہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گذر کر جناب باری تک پہنچنا تھا کام بھی بڑا ہوتا، نام بھی بڑا ہوتا، آپ دس روپے کی طمع دیتے ہیں، ہم آپ سے فقط فہم و فراست و انصاف کے طالب ہیں، ورنہ پھر ہم ہوں گے، اور آپ ہوں گے، ہمارا ہاتھ ہوگا، اور آپ کا دامن ہوگا، روزِ جزا خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے، اور یہ مقدمہ ہوگا۔

جنابِ من! اب تک ہم بوجہ بے تعصبی خاموش رہے، آپ نے میدان سنسان پا کر ہاتھ

پاؤں ہلانے شروع کئے، اب آپ کی چھیڑ کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ اشتہار جاری ہو کر آنے جانے والوں کی معرفت مدرسہ دیوبند میں بھی آنے لگے، اس فتنہ انگیزی پر کوئی کہاں تک خاموش رہے۔ (اظہار الحق ص۷)

مولانا بٹالوی مرحوم کی یہ اشتہار بازی، جسے حضرت شیخ الہندؒ بجا طور پر "فتنہ انگیزی" فرماتے ہیں، نہ صرف عالمانہ ثقاہت کے خلاف تھی، بلکہ عام اصولِ گفتگو سے بھی گری ہوئی تھی، کیونکہ اصول یہ ہے کہ سب سے پہلے یہ دیکھا جاتا ہے کہ فلاں مسئلہ میں مدعی کون ہے، اور مدعیٰ علیہ کون؟ پھر مدعی اور مدعیٰ علیہ کے موقف کی تنقیح کی جاتی ہے، پھر یہ دیکھا جاتا ہے کہ دعویٰ کس نوعیت کا ہے، اور اس کے ثبوت میں کیسی دلیل درکار ہے، پھر مدعی اپنے دعویٰ پر دلیل قائم کرتا ہے، اور مدعیٰ علیہ کو اس دلیل پر جو اعتراضات ہوں اُن کو اُٹھایا جاتا ہے۔

مگر بٹالوی صاحب نے ان مسائلِ عشرہ میں نہ اپنا دعویٰ مُنقّح فرمایا، نہ اس پر کوئی دلیل قائم کی، نہ فریقِ مخالف کے موقف کی تنقیح کی ضرورت سمجھی، نہ یہ دیکھا کہ فلاں مسئلہ میں مدعی کون ہے اور مدعیٰ علیہ کون؟ نہ یہی دیکھا کہ میں ہر مسئلہ میں جس قسم کی دلیل کا مطالبہ کر رہا ہوں، اصولِ مباحثہ کے لحاظ سے یہ مطالبہ صحیح بھی ہے یا نہیں؟ ان تمام ابتدائی امور سے صرف نظر کرتے ہوئے موصوف علمائے احناف کو للکارنے، اور داد و دہش اور تقسیم انعامات کے لئے اپنے خزانوں کے منہ کھولنے پر آمادہ ہو گئے۔

حضرت شیخ الہند، مولانا بٹالوی مرحوم کے اس بے اصولے پن پر نکیر فرماتے ہوئے ادلہ کاملہ کے دیباچہ میں لکھتے ہیں۔

"آپ اوروں سے ہر دعوے پر جب نص صریح متفق علیہ کے طالب ہیں، تو اپنے دعووں کے لئے اگر ایسے دلائل سے بڑھ کر نہیں تو ایسے تو بالضرور ہی آپ نے لگا رکھے ہوں گے، اس لئے بروئے انصاف و قواعدِ مناظرہ اول آپ کو یہ لازم تھا کہ اپنے مطالب کو بطور مشارٌ الیہ ثابت فرماتے، پھر کہیں کسی اور سے اُلجھنے کو تیار ہوتے، اور ہم کو بھی اُسی وقت جواب دینا مناسب تھا۔

مگر بوجوہ چند در چند اس کش مکش میں پھنس کر اپنے اوقات کا خون کرتا ہوں، پر یہ عرض کئے دیتا ہوں کہ سر دست تو میں روایات کا پتہ بتائے دیتا ہوں، اگر آپ اپنے مطالب کے لئے نصوصِ صریحہ لائیں گے، اور اُن کی صحت و اتفاق ثابت کر دکھلائینگے، تو پھر ہم بھی انشاءاللہ اس باب میں قلم اُٹھائیں گے، اور یہ بھی اسی وقت بتلائیں گے کہ کون سے مطالب کو کس درجہ کا ثبوت درکار

جواب دہی کا وعدہ ہی فرماتے رہے، مگر چونکہ "ادلۂ کاملہ" کا جواب لکھنے سے پہلے اس کے مندرجات کو سمجھنے کا دشوار گذار مرحلہ درپیش تھا، جو کسی طرح طے نہیں ہو پاتا تھا، اس لئے مولانا بٹالوی مرحوم کے تمام وعدے معشوقِ بے وفا کے وعدے ثابت ہوتے۔

بالآخر جواب نویسی کے لئے ایک ایسے شخص کا انتخاب ضروری ہوا، جو سخن فہمی اور سخن سنجی میں ہی ہمہ اَضَلُّ کے منصب پر فائز ہو، اور ائمہ ھدیٰ اور اکابرِ امت کی شان میں گستاخی وہرزہ سرائی میں روافض کا استاذ ہو، یہ تھی محمد احسن امروہوی صاحب کی شخصیت، جو غیر مقلدوں کے حلقہ میں "احسن المناظرین والمتکلمین" کے لقب سے سرفراز تھے، چنانچہ موصوف نے "ادلۂ کاملہ" کا جواب "مصباح الادلہ لدفع الادلۃ الاذلۃ" کے نام سے تحریر کیا، اور سربرآوردہ اہلِ حدیث حضرات نے اس پر تقریظیں لکھیں۔

"مصباح الادلہ" کی اشاعت کے بعد بھی حضرت شیخ الہند نے جواب میں اس خیال سے توقف فرمایا کہ شاید جناب وکیلِ اہلِ حدیث بھی حسب وعدہ کچھ لکھیں، تو دونوں کو یکجا نمٹا دیا جائے، لیکن کچھ عرصہ بعد مولانا محمد حسین صاحب نے اپنے پرچہ "اشاعت السنۃ" میں یہ اعلان کرکے جواب سے سبک دوشی حاصل کرلی۔

> "میں نے کتاب مصباح الادلہ، مصنفہ مولوی محمد احسن صاحب کو بتمامہا دیکھا، واقعی کتاب لاجواب اور جواب باصواب ہے، اس بارے میں اب کسی کو قلم اٹھانے کی ضرورت نہیں، جملہ امور کا جواب محقق ومفصل اس میں موجود ہے، اور طالب حق کے لئے کافی ووافی ہے، ہمارا ارادہ بھی تحریر جواب کا مصمم تھا، چنانچہ اپنے پرچہ میں ہم وعدہ کرچکے تھے، مگر بعد مطالعہ مصباح الادلہ معلوم ہوا کہ اب تحریر جواب میں وقت صرف کرنا فضول ہے، اس لئے مناسب ہے کہ سب صاحب اس کتاب کی خریداری میں سعی بلیغ مبذول فرمائیں، اور اس کے مطالعہ سے مستفیض ہوں۔" (بحوالہ ایضاح الادلہ ص۷)

اس اعلان کے بعد مزید انتظار فضول تھا، اس لئے حضرت رح نے بنام خدا مصباح الادلہ کے جواب میں قلم اٹھایا، حضرت تحریر فرماتے ہیں:

یہ شخص بعد میں غیر مقلدیت سے ترقی کرکے مرزا غلام احمد قادیانی کے دام تزویر میں داخل ہوگیا تھا، اور دولتِ ایمان کھو بیٹھا تھا، نعوذ باللہ من الحور بعد الکور (ہم زیادتی کے بعد نقصان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں) ۱۲

"اس کو دیکھ کر معلوم ہوا کہ چونکہ مجتہد مولوی محمد حسین صاحب، مصباح کو جواب شافی فرماتے ہیں، اور اس کی مدح میں رطب اللسان ہیں، تو اب ہرگز تحریر جواب ادلۂ کاملہ کی طرف توجہ نہ فرمائیں گے، علاوہ ازیں اور بعض حضرات مجتہدین پنجاب بھی تعریف مصباح میں حضرت مُشتہِر کے ہم زبان تھے، سو اب ہم کو مصباح الادلہ کا جواب لکھنا پڑا۔" (ایضاح الادلہ ص۴)

ایک ضروری تنبیہ

"ایضاح الادلہ" پہلی مرتبہ ۱۲۹۹ھ میں میرٹھ میں طبع ہوئی تھی، جس کے صفحات ۳۹۶ ہیں، دوسری مرتبہ ۱۳۳۰ھ میں مولانا سید اصغر حسین صاحب کی تصحیح کے ساتھ مطبع قاسمی دیوبند سے شائع ہوئی، جس کے صفحات چارسو ہیں۔ (حال ہی میں فاروقی کتب خانہ "ملتان" سے اس نسخہ کا عکس شائع ہوا ہے) کتب خانہ فخریہ امروہی دروازہ مرادآباد سے بھی یہ کتاب شائع ہوئی، جس پر سن طباعت درج نہیں، لیکن اندازہ یہ ہے کہ یہ اڈیشن دیوبندی اڈیشن کے بعد کا ہے، اس کے چارسو بارہ صفحات ہیں، ـــــ ان سب اڈیشنوں میں ایک آیت کریمہ کی طباعت میں افسوس ناک غلطی ہوئی ہے، عبارت یہ ہے:

"یہی وجہ ہے کہ ارشاد ہوا فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ اور ظاہر ہے کہ اولو الامر سے مراد اس آیت میں سوائے انبیاء کرام علیہم السلام اور کوئی ہیں، سو دیکھئے اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرات انبیاء اور جملہ اولی الامر واجب الاتباع ہیں، آپ نے آیت فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ تو دیکھ لی، اور یہ آپ حضرات کو اب تک معلوم نہ ہوا کہ جس قرآن مجید میں یہ آیت ہے اُسی قرآن میں آیت مذکورہ بالا معروضۂ احقر بھی ہے۔" (ص۱۰۳ مطبوعہ مرادآباد)

یہ سبقتِ قلم ہے، جس آیت کا حضرتؒ نے حوالہ دیا ہے، اس سے مراد یہ آیت ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ (النساء آیت ۵۹) چنانچہ قضاءِ قاضی کی بحث میں حضرت نے اسی مدعا پر دوبارہ اس آیت کریمہ کا حوالہ دیا ہے۔ (دیکھئے طبع دیوبند ص۲۵۶ اور طبع مرادآباد ص۲۶۹) بہرحال یہ سہو کتابت ہے جو نہایت افسوس ناک ہے۔

جانشینِ شیخ الہند، حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ

---

[۱] عنوان ایضاح الادلہ سے یہاں تک پوری عبارت مقام محمود ص۱۲۵ تا ص۱۲۷ سے ماخوذ ہے ۱۲۔

[۲] مقام محمود ص۱۳۷ مضمون مفتی احمد الرحمٰن صاحب مدظلہ ۱۲

ولادت ۱۲۹۶ھ ۱۸۷۹ء وفات ۱۳۷۷ھ ۱۹۵۷ء) سے اس سلسلہ میں دریافت کیا گیا تو حضرت نے تحریر فرمایا کہ:

"ایضاح الادلہ کی طباعت اول اور ثانی میں تصحیح نہ کرنے کی وجہ سے بے لگام غیر مقلدوں کو اس ہرزہ سرائی کا موقع مل گیا ——— بہر حال سورتی کے اس مضمون کا جواب لکھ دیجئے، آیت میں کاتب کی غلطی ظاہر ہے، جو مضمون حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے سابق ولاحق میں لکھا ہے، وہ صاف طور سے واضح کر رہا ہے کہ وہ آیت کو غلط طریقہ پر یاد نہیں رکھتے تھے غور فرمائیے اور استدلال قائم کیجئے۔[1]"

الغرض یہ افسوس ناک غلطی ہے اور اس سے زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ دیوبند سے حضرت مولانا سید اصغر حسین میاں صاحب کی تصحیح کے ساتھ، اور مراد آباد سے فخر المحدثین حضرت مولانا فخر الدین صاحب کے حواشی کے ساتھ یہ کتاب شائع ہوئی، لیکن آیت کی تصحیح کی طرف توجہ نہیں دی گئی، بلکہ حضرت الاستاذ مولانا فخر الدین صاحب قدس سرہ نے ترجمہ بھی جوں کا توں کر دیا،

اس لئے دار العلوم دیوبند کی مؤقر مجلس شوریٰ نے طے کیا کہ ایضاح الادلہ کو تصحیح کے ساتھ شائع کیا جائے، مگر ہم نے جب اس مقصد سے ایضاح الادلہ کا مطالعہ کیا تو اندازہ ہوا کہ پہلے ادلۂ کاملہ کی طباعت ضروری ہے، اس کے بغیر ایضاح کا سمجھنا دشوار ہے۔

"ادلۂ کاملہ" اگرچہ حضرت قدس سرہ کی سب سے پہلی تصنیف ہے تاہم دیگر تصانیف سے زیادہ پُر مغز، جامع مانع اور مدلل ہے، حضرت مولانا سید اصغر حسین میاں صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:

"ادلۂ کاملہ، جس کا دوسرا نام اظہار الحق بھی ہے، دو جزء کا ایک مختصر رسالہ، اور سب سے پہلی تصنیف ہے .... لیکن برخلاف عام مصنفین کے ——— کہ ان کی ابتدائی تصانیف میں وہ بات نہیں ہوتی جو آخری تصانیف میں ہے ——— حضرت مولانا کی یہ پہلی کتاب بھی آئندہ تصانیف کی طرح مکمل ہے، بلکہ ان سے بھی زیادہ پُر مضامین اور دقیق و مدلل ہے، اہل علم ہی کچھ داد دے سکتے ہیں، کہ کس طرح بڑے بڑے مضامین کو مختصر عبارات میں ادا فرمایا ہے، اور اسی لئے عوام تو عوام معمولی اہل علم کے فہم سے بھی باہر ہو گئی ہے" (حیات شیخ الہند ص۱۷۸ مطبوعہ دار الکتب اصغریہ دیوبند)

---

[1] حضرت مدنی قدس سرہ کے ایک قلمی مکتوب کا اقتباس ہے، یہ مکتوب صاحب زادہ محترم مولانا سید ارشد مدنی مدظلہ، استاذ حدیث دار العلوم دیوبند کے پاس محفوظ ہے ۱۲

آپ اوروں سے ہر دعوے پر حسب نصِّ صریح مُتفق علیہ، کے طالب ہیں تو اپنے دعوؤں کے لئے اگر ایسے دلائل سے بڑھ کر نہیں، تو ایسے تو بالضرور ہی آپ نے لگا رکھے ہوں گے؟ اس لئے بروئے انصاف و قواعدِ مناظرہ اول آپ کو یہ لازم تھا کہ اپنے مطالب کو بطورِ مُشارٌ الیہ[1] ثابت فرماتے، پھر کہیں کسی اور سے اُلجھنے کو تیار ہوتے، اور ہم کو بھی اُسی وقت جواب دینا مناسب تھا۔

مگر بوجوہ چند درچند اس کش مکش میں پھنس کر اپنے اوقات کا خون کرتا ہوں، پر[2] یہ عرض کئے دیتا ہوں کہ سر دست تو میں روایات کا پتہ بتائے دیتا ہوں، اگر آپ اپنے مطالب کے لئے نصوصِ صریحہ لائیں گے، اور ان کی صحت واتفاق ثابت کر دکھلائیں گے، تو پھر ہم بھی ان شاء اللہ اس باب میں قلم اُٹھائیں گے، اور یہ بھی اُسی وقت بتلائیں گے کہ کون سے مطالب کو کس درجہ کا ثبوت درکار ہے؟ یعنی تواتر وصحت، وحُسن وضُعف وغیرہ مراتبِ روایات میں سے کون سی بات کس مطلب کے لئے درکار ہے؟ اس لئے اس بات کو تو ابھی یوں ہی رہنے دیجئے، پر اپنے اعتراضوں کا جواب سن لیجئے۔

---

[1] مشارٌ الیہ: جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے یعنی پہلے آپ احادیثِ صحیحہ صریحہ، متفق علیہا سے اپنا مسلک ثابت فرمایئے ۱۲

[2] پر: لیکن ۱۲

ولاالضالین قال: آمین فسمعتہ وانا خلفہ[1] آمین کہی، جسے میں نے سنا دراں حالیکہ میں حضورؐ کے پیچھے کھڑا تھا

یعنی حضرت وائل بن حُجرؓ پہلی صف میں حضورؐ کے بالکل پیچھے کھڑے تھے، جہاں عام طور پر شیخین ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کھڑے ہوا کرتے تھے، حضرت وائلؓ کو اکرام و تعظیم کے لئے وہاں جگہ دی گئی تھی، وہاں سے انھوں نے حضورؐ کی آمین سنی، کیونکہ انہی کو تعلیم دینا مقصود تھا اس لئے حضورؐ نے اتنا جہر فرمایا جتنا ضروری تھا، یہی خفض بہا صوتہ کا مطلب ہے[2]

کتاب کا خلاصہ

اس ضروری تفصیل کے بعد دفعۂ دوم کا خلاصہ ذکر کیا جاتا ہے، حضرت قدس سرہ نے چیلنج دینے والے سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ جب اصل اخفاء ہے اور جہر ایک امر زائد ہے تو جو شخص زائد بات کا دعویٰ کرے وہی مُدّعی ہوتا ہے، اس لئے پہلے اس کو اپنا دعویٰ ثابت کرنا چاہئے، یعنی آمین کا جہراً سنت ہونا روایات صحیحہ صریحہ سے ثابت کرنا چاہئے، نیز دو باتوں میں سے کوئی ایک بات ثابت کرنا ضروری ہے، اس کے بغیر مُدّعی کا مُدّعا ثابت نہیں ہوسکتا۔

پہلی بات: مُدّعی یہ ثابت کرے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دائماً آمین بالجہر کہتے تھے، یعنی معمولِ نبوی زور سے آمین کہنا تھا، یہ بات ثابت کئے بغیر جہر کا اصل سنت ہونا ثابت نہیں ہوسکتا، کیونکہ یہ صرف احتمال ہی نہیں ہے بلکہ روایاتِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ جہر برائے تعلیم تھا، لہذا دوام ثابت کئے بغیر دعویٰ کیسے ثابت ہوسکتا ہے؟

دوسری بات یا کم از کم یہ ثابت کیا جائے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کی بالکل آخری نمازوں میں آمین جہراً کہی تھی، تاکہ نسخ کا احتمال ختم ہوجائے کیونکہ اگر آخری نماز میں جہراً آمین کہنا ثابت نہ ہو تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ مُقدم عمل آخری عمل سے منسوخ ہوگیا، اس لئے نسخ کا احتمال ختم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ بالکل آخری نماز میں جہر ثابت کیا جائے۔

ان دونوں باتوں میں سے کسی ایک کو ثابت کئے بغیر جہر کا نہ تو باقی رہنا ثابت ہوتا ہے، نہ منسوخ ہونا، بلکہ دونوں احتمال برابر رہتے ہیں۔ کیونکہ جہر کی روایات بقاءِ جہر اور نسخ جہر کے سلسلہ میں خاموش ہیں، اس لئے جہر کی روایات، احادیثِ اخفار کے لئے ناسخ نہیں بن سکتیں، کیونکہ نسخ کے لئے پہلے تعارض ضروری ہے، پھر تقدیم و تاخیر کا ثابت ہونا ضروری ہے، اور جہر کی روایات کا نہ مقدم ہونا

---

[1] نسائی شریف ص ۱۴۷ ج ۱ باب قول الامام اذ عطس خلف الامام ۱۲

[2] علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں ثوری اور شعبہ کی روایتوں میں یہی تطبیق دی ہے ص ۱۵۷ ج ۱ ۔ ۱۲

ثابت ہے، نہ مؤخر ہونا، پس وہ اخفاء کی حدیثوں کے لئے ناسخ کیسے ہوسکتی ہیں؟

رہی اخفاء کی حدیثیں تو وہ اصل کے مطابق ہیں، کیونکہ اخفاء ہی اصل ہے اگر جہر کی روائتیں نہ ہوتیں تو ان پر عمل واجب ہوتا، مگر چونکہ جہر کی بھی روایات ہیں، اس لئے اخفاء کی حدیثوں پر اگر عمل واجب نہ ہوگا تو کم از کم اولیٰ اور بہتر تو ضرور ہی ہوگا۔

اور اگر کوئی یہ معارضہ پیش کرے کہ جس طرح جہر کی روایات میں بقاءِ جہر اور نسخ جہر دونوں احتمال برابر ہیں، اخفاء کی روایات میں بھی یہ دونوں احتمال برابر ہیں، لہٰذا اخفاء کی روایات بھی جہر کے نسخ پر دلالت نہیں کرتیں، کیونکہ اخفاء کا نہ دائمی عمل ہونا ثابت ہے، نہ آخری عمل ہونا ثابت ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اخفاء کی روایات جہر کے نسخ پر تو دلالت نہیں کرتیں مگر اخفاء کے اولیٰ ہونے پر ضرور دلالت کرتی ہیں، کیونکہ اخفاء اصل ہے، لہٰذا جب تک اس کے لئے کوئی ناسخ نہ ہو اصل پر ہی عمل کرنا اولیٰ اور بہتر ہوگا ———— مزید یہ کہ آمین مناجات و دُعا ہے جو بارگاہِ خداوندی میں کی جاتی ہے، اور اللہ تعالیٰ نہ بہرے ہیں، نہ غیر حاضر جیسا کہ بخاری شریف کی حدیث میں فرمایا گیا ہے، اسی لئے دعا آہستہ کرنا افضل ہے، اور آمین بھی دعاء ہے اس لئے اس کا آہستہ کہنا افضل ہوگا، اور جہر صرف جائز ہوگا۔

اب انصاف سے بتایا جائے کہ جو لوگ اصل پر عمل کریں وہ متبعِ سنت ہوں گے یا جو لوگ تعلیم کے لئے گاہے ماہے کئے جانے والے جہر پر عمل کریں وہ متبعِ حدیث ہوں گے؟

> **دفعہ دوم:** آپ ہم سے اِخفاءِ آمین میں احادیثِ صحیحہ متفق علیہا کے طالب ہیں جو نصِ صریح بھی ہوں، ہم آپ سے نصِ صریح، حدیثِ صحیح، دوامِ جہر کے طالب ہیں، اگر ہوں تو لائیے، اور دس کے بدلے میں ۱۰۰ لے جائیے! ورنہ پھر یہ بات منہ پر نہ لائیے۔
>
> اور زیادہ وسعت کی طلب ہے تو آخری وقتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی میں آپ سے جہر کا ثبوت دیجئے، اور دس کے بدلے میں ۱۰۰ لیجئے، ورنہ تم ہی فرماؤ متبعِ حدیث کون رہا، ہم یا تم؟
>
> درصورتیکہ احادیثِ جہر، دوامِ جہر پر دال نہیں، اور آخری وقت میں جہر پر کوئی حدیث دلالت نہیں کرتی تو پھر اصل میں بقاءِ جہر و نسخِ جہر

۵

تقلیدِ شخصی کا وجُوب

تقلید کے معنیٰ ــــــ تقلیدِ شخصی کا مطلب ــــــ غلط فہمیوں کا ازالہ۔ ڈھول کے اندر پول ــــــ تقلید فطری چیز ہے ــــــ تقلید شخصی و غیر شخصی ــــــ تقلید شخصی کی تاریخ ــــــ تقلید شخصی کا وجوب اجماعِ امت سے ہے ــــــ فرقۂ اہلِ حدیث کی حقیقت ــــــ کیا اہلِ حدیث غیر مقلد ہیں؟

۵

تقلیدِ شخصی کا وجوب

تقلید کے معنی میں ایک غلط فہمی پائی جاتی ہے، اس لئے پہلے اس کے صحیح معنی سمجھ لینے چاہیئے

تقلید کے معنیٰ

تقلید بابِ تفعیل کا مصدر ہے جس کے معنی ہیں: ہار پہنانا، اور اس کا مادہ ہے قِلادۃ۔ قِلادۃ جب انسان کے گلے میں ہو تو مالا، اور ہار کہلاتا ہے، اور حیوان کے گلے میں ہو تو پٹہ کہا جاتا ہے، قَلَّدَہٗ القِلادۃَ کے معنی ہیں ہار پہنانا اور قَلَّدَ البعیرَ کے معنی ہیں اونٹ کی گردن میں پٹہ ڈالنا، ——— اور اس بحث میں تقلید کے معنی ہیں: کسی مجتہد کو اپنی عقیدت مندی کا ہار پہنانا یعنی اس کا مُعتقِد ہونا، اس کو اپنا بڑا ماننا اور اس کی پیروی کرنا۔

تقلیدِ شخصی کا مطلب

شخص کے معنی ہیں: آدمی، اور اس میں یار نسبت کی ہے اس لئے شخصی کے معنی ہیں مُعیَّن آدمی ——— اور تقلیدِ شخصی کے معنی ہیں ائمۂ مجتہدین میں سے کسی مُعیَّن امام کی پیروی کرنا، اس کا نیازمند بننا، اور اس کو اپنی عقیدت مندی کا ہار پہنانا، اور دین کی تبیین وتشریح میں اس پر پورا اعتماد کرنا۔

حضرت قُدِّسَ سِرُّہٗ نے ایضاح الادلۃ میں یہ بحث بہت تفصیل سے لکھی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ

"بنائے تقلید فقط اس امر پر ہے کہ جس فن میں کوئی کسی کی تقلید کرے، مُقلِّد کے ذمہ یہ ضروری ہے کہ اس شخص کو اپنے حوصلہ کے موافق بالاجمال قابلِ تقلید سمجھتا ہو، اور فنِ مذکور میں اس کی رائے اور فہم کا مُعتقِد ہو، اور بالاجمال یہ بات بھی جانتا ہو کہ وہ شخص حتی الوسع اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ جو کہے مطابقِ قواعدِ فن کہے ——— علوم سابقہ سے لے کر علوم

والی دلیل کے نقل میں منحصر ہونے کے دعوی سے دست بردار ہونا پڑے گا، اور وہ مجبور ہوں گے کہ ان دونوں چیزوں کی پیروی کا واجب ہونا، قرآن وحدیث کے علاوہ کسی اور دلیل سے ثابت کریں، اس صورت میں ہم بھی تقلیدِ شخصی کا وجوب اسی دلیل سے ثابت کریں گے، جس سے وہ قرآن وحدیث کا واجب الاتباع ہونا ثابت کریں گے۔

وہ دلیل جس سے بٹالوی صاحب قرآن ورسول کو واجب الاتباع ہونا ثابت کریں گے، وہ کوئی نص تو ہو نہیں سکتی، کیونکہ نص یعنی دلیل نقلی قرآن وحدیث میں منحصر ہے، ——— ہاں اگر کوئی شخص اپنے آپ کو مَہْبِطِ وحی قرار دے، اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اپنے آپ کو نبی و رسول بتلائے، اور یہ دعویٰ کرے کہ مجھ پر بذریعہ وحی نص نازل ہوئی ہے کہ قرآن کی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع واجب ہے، تو یہ اور بات ہے، مگر کسی مسلمان سے اس کی کیسے توقع کی جاسکتی ہے؟! ——— پس لامحالہ بٹالوی صاحب مجبور ہوں گے کہ کتاب اللہ اور رسول اللہ کی پیروی کا واجب ہونا یا تو اجماعِ امت سے ثابت کریں یا دلیل عقلی سے، کیونکہ یہ دونوں چیزیں بھی حجتِ شرعیہ ہیں اس صورت میں حضرت قدس سرہ بھی تقلیدِ شخصی کا وجوب اُنہی دلیلوں سے ثابت کر دکھائیں گے۔

دفعۂ خامس: آپ ہم سے وجوبِ تقلید کی دلیل کے طالب ہیں ———
ہم آپ سے وجوبِ اتباعِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم، و وجوبِ اتباعِ قرآنی کی سَنَد[1] کے طالب ہیں، اگر ایک ان میں سے دوسرے کے لئے وجوبِ اتباع کی سند ہے تو پھر اس کے وجوبِ اتباع کی کیا سند؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا واجب الاتباع ہونا اگر قرآن شریف سے ثابت ہوتا ہے، تو قرآن شریف کا واجب الاتباع ہونا کہاں سے ثابت ہوا؟ اور قرآن شریف کا واجب الاتباع ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ثابت ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا واجب الاتباع ہونا کہاں سے ثابت ہوا؟ بجز اس کے کہ آپ اپنے آپ کو یا اپنے اَقْرَان[2]

---

[1] سَنَد: دلیل [2] اَقْرَان: قِرْن کی جمع ہے: ہم عصر لوگ، مُعاصرین، اَمْثال، مِثْل کی جمع ہے: مانند، ہم صورت، مَہْبِط: اُترنے کی جگہ

واَمثال کو مہبطِ وحیِ آسمانی قرار دیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت کو رَلا ملا دیں[1] اور کوئی تدبیر نہیں! مگر ہرچہ باداباد[2] آپ ایسی ہی سند غیر معتبر لائیں، اور دس نہیں بیس لے جائیں! ورنہ پھر ہماری طرف سے یہ گذارش ہے کہ آپ جس مُوطن[3] سے سندِ وجوب اتباع نبوی وقرآنی نکال کر لائیں گے، اسی مُوطن سے ہم سندِ وجوب اتباعِ امام نکال کر دکھائیں گے۔

ڈھول کے اندر پول

غیر مقلد علامہ محمد حسین صاحب بٹالوی مجتہد عصر ہونے کے دعویدار تھے، مگر وہ اور ان کی جماعت کے سارے مجتہدین مل کر بھی حضرت قدس سرہ کی اتنی صاف اور واضح عبارت کا مطلب نہ سمجھ سکے، اور جواب میں یہ کہا کہ

"سائل باوجودے کہ اہل اسلام میں سے ہے، پھر ہم سے وجوبِ اتباعِ کتاب وسنت کی دلیل ——— خلاف دآبِ مناظرہ ——— کیوں طلب کرتا ہے؟ کہ در صورتِ تسلیم اسلام کے، سائل کے نزدیک بھی واجب الاتباع ہونا کتاب وسنت کا مُسَلَّم ہی ہوگا؛ ورنہ دعوئے اسلام محض کذب ہو جائے گا" (مصباح الادلہ ص۳۲)

اور بے سمجھے مصباح الادلہ میں ایران توران کی باتیں لکھیں، جس کا حضرت قدس سرہ نے ایضاح الادلہ میں بھرپور نوٹس لیا ہے، شائقین حضرات اس کا ضرور مطالعہ کریں، ہم تو یہاں نفس مسئلہ کے بارے میں عام قارئین کی دلچسپی کے لئے کچھ گذارشات پیش کرتے ہیں۔

تقلید فطری چیز ہے: تقلید یعنی ماہرینِ فن کی پیروی کرنا ایک فطری چیز ہے، اس کے بغیر

---

[1] یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین بھی مانیں، اور ساتھ ہی اپنے پاس وحیِ الٰہی آنے کا دعوی بھی کریں، جیساکہ قادیانی لعین نے کیا تھا۔

[2] یعنی کچھ بھی کیوں نہ ہو، جو ہو سو ہو، یہ فارسی محاورہ ہے، اور عبارت کا مطلب یہ ہے کہ ہماری طرف سے آپ کو آزادی ہے آپ جیسی چاہیں ویسی دلیل لائیں چاہے غیر معتبر ہی کیوں نہ ہو مگر لائیں تو سہی! ہم بھی دیکھتے ہیں کہ آپ نص یعنی دلیل نقلی کہاں سے لاتے ہیں؟!

[3] مُوطن کے اصلی معنی ہیں وطن اور میدانِ جنگ، اور حضرت کی مراد مُوطن سے قرآن وحدیث کے علاوہ دوسری دو حجتیں یعنی اجماعِ امت اور قیاس ہیں ۱۲۰

زندگی کی گاڑی دو قدم نہیں چل سکتی، نیز تقلید صرف احکام و مسائل ہی میں نہیں کی جاتی، بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں تقلید ناگزیر ہے، کھیتی باڑی کرنے والے اپنے بڑوں کی پیروی کرتے ہیں، صنعت و حرفت والے ماہرین کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں، علم و فن کے دل دادہ اکابر کے علوم و معارف کو مشعلِ راہ بناتے ہیں، بچے ماں، باپ کی محاکات کرتے ہیں، اور صرف انسانوں تک ہی یہ بات محدود نہیں ہے، بلکہ حیوانات میں بھی اس کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

خود غیر مقلدین حضرات احکامِ شریعت میں نفسِ تقلید کو نہ صرف جائز بلکہ ضروری قرار دیتے ہیں، نیز حدیث شریف پر عمل کرنے کے لئے بھی بہت سے امورِ حدیث سے متعلق ایسے ہیں جن میں اقوالِ سلف کی تقلید ضروری ہے۔

الغرض جب نفسِ تقلید کا جواز بلکہ وجوب ایک فطری امر ہے، اور موافق و مخالف سب اس کے قائل ہیں تو دلائل کی چنداں ضرورت نہیں ہے، تاہم طمانینتِ قلب کے لئے ذیل میں قرآن و حدیث سے چند دلائل ذکر کئے جاتے ہیں۔

پہلی دلیل : اللہ پاک کا ارشاد ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ (النساء آیت ۵۹)

اے ایمان والو! تم اللہ کا کہنا مانو، اور رسول کا کہنا مانو، اور تم میں جو لوگ معاملہ کا اختیار رکھنے والے ہیں ان کا بھی کہنا مانو۔

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ "اُولو الامر" کی پیروی کا بھی حکم دیا گیا ہے، لہٰذا اس آیتِ کریمہ سے صراحۃً اللہ، رسول کے علاوہ کی بھی اطاعت و تقلید ثابت ہوتی ہے۔

رہی یہ بات کہ "اُولو الامر" کون ہیں؟ تو یہ بحث بہت طویل ہے، خلاصہ اس کا یہ ہے کہ دورِ اول میں اس کا مصداق وہ اہلِ حکومت تھے، جو یا تو خود احکامِ شریعت کے ماہر تھے، یا وہ اپنے ساتھ ایسے علماء کو رکھتے تھے جو بوقتِ ضرورت ان کو احکامِ شریعت بتاتے تھے، اور وہ اُمراء لوگوں کو حکم دیتے تھے، مگر آہستہ آہستہ ایک طرف حُکّام جہالت کا شکار ہوتے گئے اور دوسری طرف حکومت منہاجِ نبوت پر باقی نہ رہی اور اُمراء خود رائی سے کام لینے لگے، تو علماء اُمراء سے دور ہوتے گئے، اور صورتِ حال یہ ہوگئی کہ اُمراء نے صرف انتظام سنبھال لیا، اور علماء کرام نے امت کی دینی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا، آج تک یہی صورتِ حال برقرار ہے، لہٰذا اس صورتِ حال میں "اُولو الامر"

اور اس طرح چار شخصیتیں متعین کی گئیں جن کے اپنے اپنے حلقہائے اثر بھی تھے، اور جن کے مستنبطات مُدَوَّن ومُرَتَّب بھی ہو چکے تھے، چنانچہ چوتھی صدی میں پوری امتِ مسلمہ نے ان چار ائمہ کی تقلید شخصی پر اجماع کر لیا، اور ان کے علاوہ کی تقلید کو ناجائز قرار دیا[۱]۔

تقلید شخصی کا وجوب اجماعِ امت سے ہے

گذارشاتِ بالا سے یہ بات واضح ہوئی کہ تقلید شخصی کا وجوب اجماعِ امت سے ثابت ہے، اور اجماعِ امت اصولِ شریعت میں تیسری اصل ہے، اس سے ثابت ہونے والا حکم بھی قطعی ہوتا ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ شرح سفر السعادہ میں لکھتے ہیں:

"لیکن قرار دادِ علماء، ومصلحت دیدِ ایشان، در آخر زماں، تعیین وتخصیصِ مذہب است، وضبط وربطِ کارِ دین ودنیا ہم دریں صورت بود (بحوالہ ایضاح الادلہ صـ۱۱۸)

لیکن علماء کی تجویز اور ان کی مصلحت بینی، آخر زمانہ میں، مذہب کی تعیین وتخصیص ہے، اور دین ودنیا کے کاموں کا ربط وضبط بھی اسی صورت میں تھا۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہ اپنی کتاب "انصاف" میں تحریر فرماتے ہیں کہ

وبعد المأتين ظهر فيهم التمذهب للمجتهدين بأعيانهم، وقلّ من كان لا يعتمد على مذهب مجتهدٍ بعينه وكان هذا هو الواجب في ذلك الزمان[۲]

دو صدیوں کے بعد لوگوں میں معین مجتہد کی تقلید کا رجحان پیدا ہوا، اور بہت کم لوگ رہ گئے جو کسی معین مجتہد کے مذہب پر اعتماد نہ کرتے ہوں اور یہی چیز اس زمانہ میں واجب تھی۔

یعنی دورِ نبوت سے دور ہو جانے کی وجہ سے امت میں جو اختلافات پیدا ہو گئے تھے اور ناقص استعداد رکھنے والے مجتہدوں کی جو بھرمار ہو گئی تھی، اور ہر شخص اپنی رائے پر ریجھنے لگا تھا اس کا علاج سوائے تقلید شخصی کے اور کچھ نہیں رہ گیا تھا۔

کچھ لوگوں کا اختلاف: اسی زمانہ میں، بلکہ اس سے بھی پہلے، بدقسمتی سے امت میں

---

[۱] متقدمین مجتہدین کی تقلید بایں وجہ ممنوع قرار دی گئی کہ ان کے علوم مدون نہیں ہوتے تھے۔ اور نئے مجتہدین کی تقلید اس لئے ناجائز قرار دی گئی کہ وہ نام نہاد مجتہد تھے ۱۲

[۲] الانصاف فی بیان سبب الاختلاف بحوالہ ایضاح الادلہ صـ۱۱۹ ۱۲

ایک ایسا گروہ پیدا ہوگیا تھا جو صرف قرآن کو حجت مانتا تھا، سنتِ نبوی اور احادیث شریفہ کو وہ حجت نہیں مانتا تھا، یہ فرقہ "اہلِ قرآن" کہلاتا ہے، اور آج بھی دنیا کے کسی گوشہ میں اس کا وجود ہے، مگر ان کا اختلاف اجماع امت میں خلل نہیں ڈال سکتا کیونکہ گمراہ فرقوں کا اختلاف اجماع کو متاثر نہیں کرتا۔

اسی طرح دوسری صدی ہی میں ایک اور فرقہ بھی وجود میں آگیا تھا جو قرآن کریم کے علاوہ احادیثِ شریفہ کو تو حجت مانتا تھا، مگر اس سے نیچے صحابہ کرام رضہ کے اجماعی عمل اور قیاس کو حجتِ شرعیہ نہیں مانتا تھا، یہ لوگ شروع میں تو "اصحابِ ظواہر" اور "ظاہری" کہلاتے رہے پھر رفتہ رفتہ انھوں نے اپنے آپ کو "اہلِ حدیث[1]" کہنا شروع کر دیا، یعنی جو قرآنِ کریم کے علاوہ حدیثوں کو تو حجت مانتے ہیں، مگر اس کے نیچے اجماعِ صحابہ اور قیاس کو حجت نہیں مانتے۔ یہ فرقہ آج بھی موجود ہے، اور وقتاً فوقتاً ان مسائل میں شور و شغب کرتا رہتا ہے جو صحابۂ کرام کے دور میں اجماع سے طے ہوئے ہیں۔ جیسے تراویح کا بیس[2] رکعت ہونا، یہ گروہ اس کو تحقیر کے طور پر سنتِ عمری کہتا ہے، اور جو ان میں گستاخ ہیں وہ "بدعت عمری" کہتے ہیں، اسی طرح حضرت عثمانِ غنی رضہ کے زمانہ میں جمعہ کے لئے جو اذان بڑھائی گئی تھی اس کا یہ لوگ "سنت عثمانی" کہہ کر مذاق اڑاتے ہیں۔

ان دونوں گروہوں کے بالمقابل ننانوے فی صد امت قرآن کریم کو بھی حجت مانتی ہے،

---

[1] قرونِ اولیٰ میں اہلُ الحدیث محدثین کو کہا جاتا تھا خواہ وہ مجتہد ہوں یا غیر مجتہد، مگر محدثین فقہاء کے مکتبِ فکر کی تقلید کرتے ہوں، سلف کے اقوال میں اور حدیث شریف کی کتابوں میں جہاں بھی اَصْحَابُ الحدیث یا اہلُ الحدیث کا لفظ آیا ہے، اس سے یہی حضرات مراد ہیں، فرقۂ اہلِ حدیث مراد نہیں ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے حجۃ اللہ البالغہ جلد اول میں جو باب قائم کیا ہے۔ بابُ الفرقِ بین اہلِ الحدیث واصحاب الرأی، اس میں بھی اھلُ الحدیث سے مراد محدثین ہیں، چنانچہ حضرت قدس سرہ نے باب کا آغاز ان الفاظ سے کیا ہے اعلم انہ کان من العلماء فی عصر سعید بن المسیّب وابراہیم والزھری، وفی عصر مالکؒ وسفیان، وبعد ذٰلک قومٌ یکرھون الخوض بالرأی، ویھابون الفتیا والاستنباط الّا لضرورۃ لایجدون منھا بُدًّا، وکان اکبر ھمّھم روایۃُ حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (صفحہ ۱۴۸، ج ۱) اس عبارت سے واضح ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے کلام میں اہلُ الحدیث سے مراد محدثین ہیں، معروف فرقہ مراد نہیں ہے۔

سنت نبوی کو بھی حجت مانتی ہے، اور صحابہ کرام کے اجماعی عمل کو بھی حجت مانتی ہے، یہ حضرات اَھْلُ السُّنَّۃِ والجماعۃ کہلاتے ہیں، سنت والے یعنی سنت نبوی کو حجت ماننے والے اس جزکے ذریعہ فرقہ اہل قرآن سے امتیاز ہوتا ہے، اور جماعت والے یعنی جماعتِ صحابہ کے اجماع کو حجت ماننے والے۔ اس جزکے ذریعہ فرقۂ اہلِ حدیث سے امتیاز ہوتا ہے۔ یہی جماعت حدیث شریف کی رو سے فرقۂ ناجیہ ہے، مشکوۃ شریف میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

”ضرور میری امت اُن احوال سے دوچار ہوگی جن سے بنی اسرائیل دوچار ہوئے ہیں، بالکل ان کے ہوبہو۔ یہاں تک کہ ان میں سے کسی نے اپنی ماں کے ساتھ علانیہ بدکاری کی ہوگی تو میری امت میں بھی کچھ لوگ یہ حرکت کریں گے، اور بنی اسرائیل بہتّر فرقوں میں بٹ گئے ہیں، اور میری امت تہتّر فرقوں میں بٹ جائے گی، جو سب کے سب جہنّم میں جائیں گے سوائے ایک جماعت کے، صحابہ کرام رضی نے پوچھا یا رسول اللہ! وہ ایک جماعت کون سی ہوگی؟ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ

مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِی (مشکوۃ ص۳۰)

(وہ جماعت ہوگی جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقہ پر ہوگی)

اس حدیث شریف سے اور اس کے علاوہ اور متعدد حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کے طریقہ کی پیروی بھی دین کا ایک جزء ہے اور نجات کے لئے ضروری ہے۔ اسی لئے اہل سنت والجماعت نے تقلید شخصی کے لئے وہ ائمہ منتخب کئے ہیں جو دورِ صحابہ کے بعد ہوئے ہیں۔ جنھوں نے احکامِ شرع کی ترتیب وتدوین میں عمل صحابہ کا بھی لحاظ کیا ہے۔

الغرض فرقۂ اہلِ حدیث صرف ”اہل السنہ“ ہے۔ ”والجماعۃ“ میں داخل نہیں ہے اس لئے اس کا اختلاف بھی اجماع امّت میں خلل انداز نہیں ہوسکتا۔

کیا اہل حدیث غیر مقلد ہیں؟

اور فرقہ اہل حدیث کو جو غیر مقلد کہا جاتا ہے وہ اس اعتبار سے ہے کہ وہ ائمہ اربعہ کی تقلید نہیں کرتا، ورنہ حقیقت میں وہ بھی مُقلِد ہیں، کیونکہ غیر مقلدیت خود ایک مکتَبِ فکر ہے، چنانچہ جو بھی اہل حدیث ہے وہ اپنا مسئلہ اہل حدیث عالم ہی سے پوچھتا ہے، جس طرح ایک حنفی اپنا مسئلہ کسی حنفی عالم ہی سے پوچھتا ہے پس یہ تقلید شخصی نہیں تو اور کیا ہے؟ اگر اہلِ حدیث حقیقی معنی میں غیر مُقلد ہوتے تو اپنے پیش آمدہ مسائل صرف اپنے علماء سے نہ پوچھتے، بلکہ ہر عالم سے پوچھتے خواہ وہ حنفی ہو یا شافعی

اور منافعِ باقیہ مثلِ منفعتِ چشم[1] و گوش و دست و پا وغیرہ اعضاء، مرتبۂ نوعی سے متعلق ہیں، اور یہ دونوں مرتبے باہم ایسے مخلوط ہیں کہ تقسیم کی کوئی صورت نہیں ——— پھر اس پر طُرّہ[2] یہ کہ جسمِ نسوانی جس سے یہ منافع متعلق ہیں، اصل میں اُن کا مقبوض ہے جس سے اُن کا مالک ہونا ظاہر و باہر ہے۔

رہی یہ بات کہ خود عورتیں اپنے رحم و فرج سے منتفع نہیں ہو سکتیں، اس سے دربارۂ ملکِ اعضاءِ تناسل کچھ حرج[3] نہیں ہو سکتا، ورنہ یہ معنیٰ ہوں کہ خداوندِ غنی عن العالمین کسی چیز کا بھی مالک نہیں، اس لئے بعد تحقیقِ قبضۂ تام، مالکیتِ نساء اور مملوکیتِ اعضاءِ تناسل کا اقرار لازم ہے۔

اور پھر بوجہ ارشاد خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا، اور نیز بدلالتِ انتفاعِ مرد بطور فاعلیت مردوں کا بہ نسبت زنان، بحیثیت منفعتِ مذکورہ[4] مالک ہو سکنا ممکن ہوا، اور عورتوں کا بہ نسبت مردوں کے بحیثیت منفعتِ مذکورہ مالک ہونا ممکن نہ ہوا، کیونکہ عروضِ ملک عُلُوِّ مرتبۂ مالک، اور تسفّلِ مرتبۂ مملوک کا خواستگار ہے، تعاکُسِ[5] مراتب میں یہ بات متصوَّر نہیں، اس لئے بیع کی ضرورت پڑی، اور مہر ثمن میں مقرر ہوا۔

عورتیں اپنا جسم ہبہ نہیں کر سکتیں

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ جب عورتیں اپنے بدن کی مالک ہیں، اور مالک کو اختیار ہے کہ اپنی چیز چاہے تو کسی کو بیچ دے یا ہبہ کر دے، پھر بیع یعنی نکاح ہی کیوں ضروری ہے؟ اگر عورتیں اپنا نفس مردوں کو ہبہ کر دیں تب بھی درست ہونا چاہئے۔ بلکہ قرآن کریم میں تو صراحت موجود ہے

---

[1] چشم: آنکھ، گوش: کان، دست: ہاتھ، پا: پاؤں ۱۲ [2] طُرّہ: کے اصل معنیٰ ہیں: سر کے بالوں کی لٹ، اور مجازاً: مزید برآں، اور علاوہ ازیں کے معنیٰ میں مستعمل ہے ۱۲ [3] حرج: اشکال ۱۲
[4] منفعتِ مذکورہ: یعنی منفعت توالد ۱۲ [5] تعاکُس: برعکس، اُلٹا، اور تعاکُسِ مراتب سے مراد یہ ہے کہ عورتوں کا مالک ہونا اور مردوں کا مملوک ہونا ۱۲

یا اہلِ حدیث، مگر سب جانتے ہیں کہ وہ اپنے ہی علماء سے مسائل پوچھتے ہیں پس معلوم ہوا کہ وہ بھی دوسروں کی طرح مقلد ہیں۔

رہا یہ سوال کہ جب وہ بھی مقلد ہیں تو پھر ائمہ اربعہ کی تقلید کیوں نہیں کرتے ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ ائمہ اربعہ کی تقلید اس لئے نہیں کرتے کہ ائمہ اربعہ صحابۂ کرام کے اجماع کو حجت مانتے ہیں، اور اہلِ حدیث اس کو حجت نہیں مانتے، مگر وہ مسلمانوں سے یہ بات صاف نہیں کہہ سکتے ورنہ امت ان پر نفرین کرنے لگے، بلکہ ہو سکتا ہے کہ ان کی اکثریت جماعتِ اہلِ حدیث سے الگ ہو جائے، اس لئے وہ لوگوں کو یہ کہہ کر وَرغلاتے ہیں کہ یہ چار امام چار بُت ہیں ان کی تقلید شرک ہے ان کو چھوڑو، اور ہماری تقلید کرو۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو ان کی فریب دہی سے محفوظ رکھے اور اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

کہ مسلمان عورت اپنا نفس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کرسکتی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا (الاحزاب آیت ۵۰)

اور اس مسلمان عورت کو بھی (اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے لئے حلال کیا ہے) جو اپنا نفس نبی کریمؐ کو ہبہ کردے، بشرطیکہ نبی اس کو اپنے نکاح میں لانا چاہیں۔

لہٰذا جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہبہ جائز ہے، تو اور مردوں کے لئے بھی جائز ہونا چاہئے، بیع یعنی نکاح اور مہر ہی کی کیا ضرورت ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں ہبہ ممکن نہیں ہے، کیونکہ عورتوں کی مذکورہ بالا دونوں منفعتیں باہم اس طرح پیوست ہیں کہ ان کو تقسیم نہیں کیا جاسکتا، اور مُشاع یعنی مشترک چیز کا ہبہ تقسیم کے بغیر درست نہیں ہے۔

حضور اکرم صؐ کے لئے ہبہ جائز تھا

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہبہ کا جواز اس لئے تھا کہ آپؐ اصل ہی سے اللہ تعالیٰ کے بعد سب چیزوں کے مالک ہیں، آپ کا مالک ہونا کچھ ہبہ پر موقوف نہیں ہے، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دوسرے مرد ہبہ کے بعد ہی مالک ہوسکتے ہیں، اور مشاع کا ہبہ درست نہیں ہے، اس لئے مالک ہونے کے لئے کوئی اور سبب درکار ہوگا، اور وہ بیع یعنی نکاح ہی ہے

حضورؐ تمام کائنات کے مالک ہیں

رہی یہ بات کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام کائنات کے مالک کیسے ہیں؟ تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ دو مساوی درجہ کی ملکیتیں تو جمع نہیں ہوسکتیں، چنانچہ دو یا زیادہ خدا ممکن نہیں ہیں کیونکہ تعدّدِ الٰہ کی صورت میں سب کی ملکیتیں مساوی درجہ کی ہوں گی، اور یہ بات ممکن نہیں ہے، ہاں دونوں ملکیتیں یکساں درجہ کی نہ ہوں، بلکہ متفاوت درجہ کی ہوں تو پھر اجتماع ممکن ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ تمام کائنات کے مالک ہیں، اور پھر انسان بھی خاص خاص چیزوں کے مالک ہیں، کیونکہ یہ دونوں ملکیتیں مساوی نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ مالک حقیقی ہیں، اور بندے مالکِ مجازی ہیں اسی طرح اللہ جل شانہ کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام چیزوں کے مالک ہیں، خواہ وہ جمادات ہوں، یا حیوانات، انسان ہوں، یا غیر انسان سب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مملوک ہیں، اللہ پاک کا ارشاد ہے کہ:

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ

نبی کریمؐ مومنوں کے، خود ان کے نفسوں سے بھی

شرح اس مُعَمّا کی یہ ہے کہ زنِ غیر منکوحہ قبلِ نکاح اپنے بدن کی آپ مالک ہوتی ہے، اور بعد نکاح وہ ملک بقدرِ مشارٌ الیہ[1] شوہر کی طرف عائد ہو جاتی ہے، اور اس وجہ سے یوں کہہ سکتے ہیں کہ جیسے نقود و عروض میں بعد بیع و شراء ملکِ بائع و مشتری ایک دوسرے کی طرف منتقل ہو جاتی ہے، اور اس وجہ سے ایک، دوسرے کے قائم مقام ہو جاتا ہے، ایسا ہی شوہر دربارۂ ملکِ بدنِ زن قائم مقام زن ہو گیا، مگر جب گنجائش تبدّلِ ملک نکلی، اور ایک دوسرے کی جا ایک دوسرے کا قائم مقام ہونا ممکن ہوا، تو درصورتِ قضائے قاضی یہ بات ضرور ثمرٌ ہے، کیونکہ قاضی بحیثیتِ قضا اُدھر تو خدا کا نائب، اِدھر رعیت کا ولی۔

قاضی نائبِ خدا ہے

اور قاضی کے نائبِ خدا ہونے کی سب سے بڑی دلیل اس کی حکومت ہے، اسی حکومت کی وجہ سے قرآن کریم میں اور احادیث شریفہ میں اس کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ، وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ، وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ (النساء آیت ۵۹)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو، اور اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی، اور درمعاملہ کا اختیار رکھنے والے (حکام) کی اطاعت کرو۔

اور حدیث شریف میں ہے کہ

إِنَّ السُّلْطَانَ ظِلُّ اللَّهِ فِي الْأَرْضِ

بے شک حاکم اللہ کا سایہ ہے زمین میں۔

دوسری حدیث شریف میں ہے کہ

مَنْ أَهَانَ سُلْطَانَ اللَّهِ فِي الْأَرْضِ أَهَانَهُ اللَّهُ

جو شخص اللہ تعالیٰ کی طاقت کی جو زمین میں ہے (یعنی حاکم کی)، توہین کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی توہین کریں گے

اور بخاری و مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ

مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ،

جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت

---

[1] بقدر مشارٌ الیہ، یعنی نفع توالد کے بقدر ۱۲

پڑتا ہے، کولھو کی مثل ضرور ملازمانِ حضور کے گوش گذار ہوئی ہوگی، ان وجوہ سے اول ہی عرض کردیا گیا ہے کہ اس سے احتراز اولیٰ ہے، ورنہ گستاخی معاف!

لہ وہ مثل یہ ہے: تیلی نے کہا "جاٹ رے جاٹ! تیرے سر پہ کھاٹ!"، جاٹ نے جواب دیا: "تیلی رے تیلی! تیرے سر پہ کولہو" تیلی نے کہا: تک تو ملا نہیں، جاٹ نے کہا: تو کیا ہوا، بوجھوں تو مرے گا! ۱۲

لہ نوابی دور میں گفتگو کا ادب یہ تھا کہ بری چیز بڑے کی طرف منسوب کرنے کے بجائے اس کے دشمن کی طرف منسوب کرتے تھے، نواب صاحب کے سر میں درد ہوتا تو عیادت کرنے والے کہتے "حضور کے دشمنوں کے سر کا درد کیسا ہے؟" اور عام چیز خداموں اور ملازموں کی طرف منسوب کی جاتی تھی، نواب صاحب کو کوئی اطلاع دینی ہوتی تو کہتے کہ "حضورِ والا کے خداموں کے کان میں یہ بات پہنچی ہوگی"، اور عمدہ بات براہِ راست منسوب کی جاتی تھی، کہا جاتا تھا کہ "جناب عالی نے خدام کو انعام نوازا" ۱۲

جواب ترکی بہ ترکی

اہلِ حدیث عالم مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی لاہوری کے سوالات کے جوابات پورے ہو چکے، اب حضرت قدس سرہ غیر مقلدین سے گیارہ سوالات کرتے ہیں، کیونکہ جوابات سے زیادہ اہم منہ زور گھوڑے کے منہ میں لگام دینا ہے۔

غیر مقلدین کا سب سے بڑا المیہ ظاہر پرستی، اور خود رائی ہے، عقل وفہم کے نام سے بھی اُن کو چڑ ہے، اسی وجہ سے وہ قیاس کے منکر ہیں، چنانچہ حضرت قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اگر آپ کی ظاہر پرستی کا یہی حال رہا کہ جو کچھ سرسری نظر میں نصوص سے سمجھ میں آیا، اسی کو اختیار کر لیا، اور باقی حقائق سے صرف نظر کر لی، تو ہم کو ڈر ہے کہ کہیں آپ آیاتِ متشابہات (یَدُ اللہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ، اور اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی وغیرہ) کے ظاہری معنی مراد لے کر اللہ تعالیٰ کو مُجسّم (جسم والا) نہ بتانے لگیں! ——— اور رفع یدین کی طرح مُتعہ کے باب میں بھی روایات مختلف ہیں، اس لئے ممکن ہے کہ آپ رفع یدین کی طرح متعہ کے باب میں بھی یہ کہنے لگیں کہ کبھی یوں کر لینا چاہئے، کبھی یوں! یعنی کبھی نکاح کر لینا چاہئے اور کبھی متعہ!

اسی طرح ظاہر پرستی اور خود رائی کا اگر یہی حال رہا، تو ممکن ہے اصحاب ظواہر بہت سی حدیثوں کو قرآن کے مُعارِض سمجھ کر ساقط الاعتبار قرار دے دیں، کیونکہ حدیث خواہ کیسی ہی قوی اور صحیح ہو، مگر قرآن کریم کے ہم رتبہ کہاں ہو سکتی ہے؟ مثلاً:

① قرآنِ پاک کے بارے میں ارشادِ باری ہے کہ لَارَیْبَ فِیْہِ (اس میں کوئی تردّد کی بات نہیں ہے) حالانکہ احادیثِ صحیحہ اور تاریخِ اسلام سے ثابت ہے کہ بہت سے کافروں

کو اور کمزور ایمان والوں کو قرآنِ کریم میں تردد تھا، تو کیا یہ سب روایات و احادیث ساقط الاعتبار ہیں؟

(۲) قرآن کریم کے بارے میں ارشادِ خداوندی ہے هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (قرآنِ پاک پرہیزگاروں کے لئے ہدایت ہے) پس فاسقوں کو اور کافروں کو قرآنِ پاک سے ہدایت نہ ملنی چاہئے حالانکہ بے شمار حدیثوں اور تاریخی روایات سے ثابت ہے کہ قرآنِ کریم کے ذریعہ کفار و فساق کو ہدایت ملی، تو کیا یہ سب احادیث غلط ہیں؟

(۳) اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر نماز کے لئے نیا وضو ضروری ہے، پس جن حدیثوں میں ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھنا مروی ہے وہ سب احادیث غیر معتبر ہیں؟

(۴) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت کے بارے میں ارشادِ ربانی ہے کہ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا (اے نبی کے گھر والو! اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ تم سے آلودگی کو دور رکھے، اور تم کو پاک صاف رکھے) اور حدیث شریف میں ہے کہ اِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يَنْجُسُ (مومن یقیناً ناپاک نہیں ہوتا) اب بتایئے کہ ازواجِ مطہرات اور بناتِ طیبات، بلکہ خود سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مومن تھے یا نہیں؟ اگر مؤمن تھے تو مومن ناپاک ہوتا ہی نہیں، پھر آلودگی دور کرنے کا کیا مطلب؟ یا نعوذ باللہ یہ حضرات مؤمن ہی نہ تھے؟

(۵) ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ (یقیناً اللہ تعالیٰ اس بات کو معاف نہیں فرمائیں گے کہ اُن کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے) اب بتایئے جو صحابہ کرام پہلے مُشرک تھے، وہ مغفرتِ خداوندی کے حق دار ہیں یا نہیں؟

بلکہ صحابہ ہی پر کیا موقوف ہے، جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ کی جو مشہور تفسیر ہے اس کی رو سے تو خود حضرت آدم علیہ السلام بھی مغفرتِ خداوندی سے محروم ہوں گے!

(۶) ارشادِ باری تعالیٰ ہے وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا (جو شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کر ڈالے، اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیگا) اور حدیثوں میں یہ آیا ہے کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنے والے کی مغفرت ضرور ہوگی، تو کیا قرآنِ کریم کے مقابلہ میں یہ سب حدیثیں ساقط الاعتبار ہوں گی؟

بہانے سے جواب سے سبکدوش ہو جاتے ہیں، اگر یہی اندازِ مناظرہ ہے، تو اس سے بہتر ہم تدبیر عرض کرتے ہیں، آپ بے تکی ہانکا کریں، واہیاتِ جاہلانہ سمجھ کر آپ کے حریف آپ چپ ہو رہیں گے، کیونکہ ع جوابِ[1] جاھلاں باشد خموشی!

اور یہی وجہ ہے جو یہ ارشاد ہوا وَاِذَا خَاطَبَھُمُ الْجَاھِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا[2]!

اور غور سے دیکھئے تو آپ نے پہلے ہی یہ انداز اختیار فرمایا ہے، بھلا جس بات[3] کے آپ اَوروں سے طالب ہیں، اور آپ سے طالب کیوں نہ ہوں گے، پھر آپ نے پہلے اپنے گھر کی خبر کیوں[4] نہ لی؟ یہ نہ سمجھا کہ ہم اوروں سے حدیثِ صحیح، نصِ صریح، متفق علیہ کے طالب ہیں، اور[5] ہم سے طالب ہوں گے تو ہم کہاں سے دیں گے، یہ بے تکی بات نہیں تو اور کیا ہے؟! بحکمِ مناظرہ اول آپ کو لازم تھا کہ مطالب مشارٌ[6] الیہ کے لئے احادیث موصوفہ بوصفِ مذکور لاتے، اُس وقت ہم سے اِس قسم کی احادیث کی درخواست فرماتے، اس لئے ہم نے اپنی احادیث کے مراتب کی تشریح کرنی بے جا سمجھی، آپ کچھ کریں گے، تو ہم بھی ان شاء اللہ کچھ کریں گے۔

مگر عند اللہ آپ جو کچھ کریں فہم و انصاف سے کریں، تعصّب کو چھوڑیں، اور اس نارسائی[7] پر خود رائی سے منہ موڑیں، ورنہ مجھ کو آپکی اس ظاہر پرستی اور خود رائی سے یہ اندیشہ ہے کہ آپ متشابہات تک پہنچیں، اور یَدُ اللہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ اور الرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی

---

[1] ناد انوں کا جواب خاموشی ہے ۱۲ [2] اور جب رحمٰن کے بندوں سے ناداں لوگ (جہالت کی) بات کرتے ہیں، تو وہ کہتے ہیں کہ ہمیں معاف کرو ۱۲ [3] یعنی احادیث صحیحہ صریحہ ۱۲ [4] یعنی مسائل مُستفسرہ میں آپ نے اپنا مذہب احادیث صحیحہ صریحہ سے ثابت کیوں نہیں کیا؟ ۱۲ [5] اور: دوسرے ۱۲ [6] مطالب مشارٌ الیہ: یعنی مسائلِ عشرہ مشتہرہ ۱۲ [7] یعنی احادیثِ صحیحہ صریحہ ۱۲ [8] نارسائی: کم علمی ۱۲

کے بھرو[1] سے خدا کو نعوذ باللہ مُجَسَّم[2] بتانے لگیں۔

اور بقیاس[3] احادیثِ رفع و عدمِ رفع، احادیثِ مختلفہ فی بابِ متعۃ النکاح کو اس پر محمول کریں، کبھی یوں ہوا تھا کبھی یوں، اس لئے کبھی یوں کر لینا چاہئے، کبھی یوں ——— اُدھر عبداللہ بن مسعود رض وغیرہ کا منکرِ تحریم ہونا حدیثوں میں مرقوم[4] ہے۔

اور میں جانتا ہوں کہ آپ اپنا کام کر چکے[5]، کیونکہ ہر چند یہ بات بالخصوص آپ[6] کی نسبت نہیں سنی گئی، پر یہ شور تو ایک مدت سے ہے کہ حضراتِ غیر مقلدین تجویزِ[7] متعہ کے درپے ہیں، چونکہ آپ ان سب کے امام ہیں، تو یہ کب ہو سکتا ہے کہ یہ شور اور یہ ہی اُدھر اُدھر ہو! ——— اور نیز یہ شور بھی ایک مدت سے ہے کہ بعض غیرِ مقلدین خدا کے ہاتھ پاؤں کو ایسا ہی سمجھتے ہیں، جیسے ہمارے تمہارے ہاتھ پاؤں ہوتے ہیں، تامل ہے تو اتنا ہے کہ کاہے کے ہیں، چاندی کے یا سونے کے، یا کہیں اور کے؟

علیٰ ھذا القیاس آپ کی اس ظاہر پرستی اور خود رائی سے یہ بھی اندیشہ ہے کہ بہت سی احادیث کو مُعارِضِ قرآن سمجھ کر پایۂ اعتبار سے ساقط فرمائیں گے، کیونکہ حدیث گو صحیح ہی کیوں نہ ہو، پر کہیں

---

[1] کے بھروسے: کی وجہ سے ۱۲ [2] مُجَسَّم: جسم والا ۱۲ [3] بقیاس: قیاس کرتے ہوئے ۱۲

[4] بخاری، مسلم اور نسائی شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے کہ ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کیا کرتے تھے، ہمارے ساتھ عورتیں نہیں ہوتی تھیں، اس لئے ہم نے سوچا کہ خصی کیوں نہ ہو جائیں؟ مگر ہمیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کرنے سے منع فرمایا، پھر ہمیں متعہ کرنے کی اجازت دی، چنانچہ ہم میں سے ایک آدمی کسی عورت سے کسی کپڑے کے عوض مقررہ مدت کے لئے نکاح کر لیتا تھا، پھر عبداللہ بن مسعودؓ نے یہ آیت پڑھی یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ (اے ایمان والو! نہ حرام کرو وہ صاف ستھری چیزیں جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہیں) جامع الاصول ص ۱۳۱ ج ۱۲ ۱۲

[5] یعنی اللہ تعالیٰ کو نعوذ باللہ! جسم والا کہہ چکے، اور متعہ کو حلال کر چکے ۱۲ [6] مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب مراد ہیں۔ [7] تجویز: جائز قرار دینا ۱۲

کیا غیر مقلد کو لامذہب کہنا بیجا ہے؟!

مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی نے اُس اشتہار کے ذریعہ جس کو ہم نے پیش لفظ میں نقل کیا ہے، پنجاب و ہندوستان کے تمام حنفیوں کو چیلنج دیا تھا، اس کا ایک مختصر جواب پہلے پنجاب کے کسی عالم نے "اظہار" کے نام سے دیا تھا، جو اس کتاب کے آخر میں درج ہے، حضرت مولانا سید اصغر حسین میاں صاحب "ادلۂ کاملہ" کی وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"اہلِ حدیث کے مشہور عالم مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی نے مذہبِ حنفیہ پر اعتراض کرنے کے لئے ایک اشتہار شائع کیا ...... یہ اشتہار دیوبند بھی پہنچا، یہ سخت حملہ عموماً تمام حنفیوں کو شاق گذر رہا تھا، اور پنجاب کے کسی حنفی عالم نے اپنی وسعت کے موافق کچھ جواب لکھا بھی تھا" (حیات شیخ الہند ص ۱۷)

اس مختصر جواب میں مولانا بٹالوی صاحب سے مسائل مشتہرہ میں ان کے مذہب کی وضاحت اور اس کی سند و دلیل طلب کی گئی تھی، جیسا کہ "اظہار" میں ہے۔

"اور اپنا مذہب اِن مسائل فرعیہ میں بتادیں، اور اس کو ایسی ہی سند مذکور سے ثابت فرمادیں، ورنہ بارِ دگر ایسا کلمہ زبان پر نہ لادیں، کچھ تو شرمائیں، دوسروں سے نصوص قطعی الدلالۃ طلب ہوں، اور اپنی کچھ خبر نہیں"

نیز مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی نے اشتہاروں کے ذریعہ وعدہ بھی کیا تھا کہ ہم اپنا مذہب احادیثِ صحیحہ صریحہ سے ثابت کریں گے، مگر اس کے باوجود مولانا بٹالوی صاحب گریز کرتے رہے، اور ان مسائل مشتہرہ میں نہ اپنے مذہب کی وضاحت فرمائی، نہ اپنے مذہب کی

تو بسم اللہ الرحمن الرحیم بھی مرقوم ہے، جناب مولوی صاحب نے اس کا کیا رد لکھا ہے؟ بس مجیب مذکور کے حواس گم ہوگئے، اور کچھ جواب نہ دے سکے، جناب ڈپٹی صاحب موصوف نے فرمایا صاحبزادے! کیوں ایسی بات فضول بے تامل کہتے ہو کہ ایک عامی سے بند ہو جاتے ہو، خجالت اٹھاتے ہو، فقط

پس مقامِ غور ہے اگر اس مشتہر کو گلستانِ شیخ سعدی بھی یاد ہوتی تو ایسی فضول گوئی نہ کرتے ؎

(۱) مزن[1] بے تامل بگفتار دم	نکو گوئی و گر دیر گوئی چہ غم
(۲) بنطق آدمی بہتر است از دواب	دواب از تو بہ گر نگوئی صواب

الغرض اس اشتہار سے اُن کو اپنی تشہیر مقصود تھی، بعونہ تعالیٰ وہ بخوبی تمام ہوگئی۔ واسطے اطلاعِ عوام اہلِ اسلام کے مجمل جوابِ اشتہار، اور شمّۂ حالِ مشتہر تحریر ہوا کہ ایسے خود رائے اہلِ ہوا کی صحبت سے احتراز فرمادیں، اور ہرگز ان کے قول و فعل پر اعتماد نہ کریں اور ان کے دامِ تزویر میں نہ پھنسیں کہ سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

زجاہل[2] گریزندہ چوں تیر باش ع

وما علینا الا البلاغ المبین، واللہ ھو الموفق والمعین، الراقم خیر خواہ مسلمین ناصر الدین

خاتمۃ الطبع[3]

الحمد للہ والمنۃ کہ یہ عجالۂ نافعہ، ہدایت مقالہ، رسالہ موسومہ، بہ "ادلہ کاملہ"، بجواب اشتہار عشرہ اُسولۂ مولوی محمد حسین لامذہب لاہوری مع اصل اشتہار و مختصر جواب موسوم باظہار مطبع نظامی واقع کانپور میں عشرۂ آخر رمضان مبارک سنہ ۱۲۹۲ ہجری کو اہتمام امیدوارِ رحمتِ ایزدِ سبحان، عاجز محمد عبد الرحمن حنفی سے مطبوع طبائع خاص و عام، و باعثِ ہدایتِ اہلِ اسلام ہوا۔ فقط۔

---

[1] (۱) بے سوچے بات نہ کہو ⁂ صحیح بات کہو، چاہے دیر سے کہو، کیا پریشانی ہے!
(۲) بات کی وجہ سے آدمی جانوروں پر فضیلت رکھتا ہے ⁂ اگر آپ بات درست نہ کہیں تو پھر جانور آپ سے بہتر ہے ۱۲

[2] جاہل کے پاس سے تیر کی طرح بھاگو ۱۲

[3] یہ "ادلۂ کاملہ" طبع اول کا خاتمۃ الطبع ہے ۱۲